© rasailojaraid.com



جناب قاری عبدالستار حماد

قسط ۲

# عصمتِ انبیاء علیہم السلام

## نفاستِ گفتار:

خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوصاف یوں بیان کئے ہیں:

"وما ینطق عن الھویٰ، ان ھو الا وحی یوحیٰ"

کہ ہمارا رسولؐ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ فرماتا ہے، اس کے پسِ منظر وحی الٰہی ہوتی ہے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نطق یعنی گویائی کو خواہشاتِ نفسانی سے پاک بیان فرمایا ہے۔ گویا آپؐ کے معصوم عن الخطا ہونے کی وجہ بتائی ہے کہ آپؐ کے کلمات میں خواہشِ نفسانی اور ہواجسِ شیطانی کو دخل نہیں ہے۔ جب آپؐ کا بولنا نفسانی خواہشات سے پاک ہے، لامحالہ ثابت ہوا کہ آپؐ وحی الٰہی سے بولتے ہیں۔ اس مقام پر مولانا ابراہیم صاحب مرحوم سیالکوٹی ایک عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں:

"وما ینطق بالھویٰ نہیں کہا بلکہ "عن الھویٰ" کہا ہے۔ یعنی صلہ "با" کو ترک کرنے اور صلہ "عن" کو اختیار کرنے میں یہ لطف ہے کہ "عن الھویٰ" "بالھویٰ" سے بہت ابلغ ہے، کیونکہ دل منبعِ حرارت اور امیر البدن ہے۔ تمام بدن کو اس سے حرارت اور غذا پہنچتی ہے۔ جب آدمی صاف اور ٹھنڈی ہوا سانس کے ذریعہ اندر کھینچتا ہے تو وہ ٹھنڈک دل میں پہنچ کر اس کی حرارت کے سبب معتدل ہو جاتی ہے اور تھوڑی دیر رہنے کے بعد گرم ہو کر جل جاتی ہے۔ پھر طبیعت اس کے خارج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کرنے اور اس کی بجائے ٹھنڈی ہوا لینے کی خواہش کرتی ہے۔ پس اس گندی اور گرم ہوا سے آواز پیدا ہوتی ہے جس سے کلام بنتی ہے۔ اس میں اس دانا و بینا خالق کی حکمت ہے کہ ایک قابل اخراج چیز کو بھی بے فائدہ خارج نہیں کیا بلکہ اس سے ایک ایسی چیز پیدا کی جو انسان کے لئے بوجہ مدنی الطبع ہونے کے نہایت ہی ضروری تھی۔ کیونکہ اس کلام کا فائدہ یہ ہے کہ جن حقائق کا علم و ادراک انسان کے دل و دماغ میں آئینہ کی طرح منقش ہے، اس کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے یہ کلام ایک وسیلہ ہے۔ اگر یہ نعمت عظمیٰ انسان کو میسر نہ ہوتی تو یہ انسان اپنی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے سے تہی دامن ہوتا اور اس کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ بلکہ کارگہِ حیات ہی درہم برہم ہو جاتا۔ ولله الحمد علیٰ ذالک!

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ حقیقت میں کلام دل کی خراب اور قابلِ خراج ہوا نکلنے سے پیدا ہوتی ہے تو اب "عن الھویٰ" کی بلاغت اور لطف سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس کے معنیٰ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا مصدر یعنی دل خواہشات سے پاک ہے۔ تو اب ایسے دل سے "کلام اللہ" کے علاوہ اور کیا نکل سکتا ہے؟

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان جو اس آواز کو مہذب اور حروف و کلمات کو مرکب کرنے کا آلہ ہے، بطریق اولیٰ خواہشاتِ نفسانی سے پاک ہوئی۔ اگر "بالھویٰ" کہا جاتا تو صرف زبانِ حق ترجمان کی پاکیزگی ثابت ہوتی جو کلام کا آلہ ہے کیونکہ "بائ" استعانت کے لئے آتی ہے۔ مصدرِ کلام یعنی دل کی پاکیزگی اس سے ثابت نہ ہوتی۔ "عن الھویٰ" سے مصدرِ کلام اور آلۂ کلام دونوں کے پاکیزہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ ہے کمال قرآنِ مجید کی فصاحت و بلاغت کا، کس شاندار پیرا یہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "عصمت" کو ثابت کیا ہے... وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون!

## عظیم شہادت:

ذوالخویصرہ (لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ امثالہ) کے واقعہ سے بھی آپ کی عصمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ثابت ہوتی ہے جبکہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے کردار پر بڑی خفگی کا اظہار کیا تھا اور ایسا اس وقت ہوا تھا، جب اس نالائق نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انصاف کرو، تم جو مال تقسیم کر رہے ہو، اس سے خدا کی رضامندی مقصود نہیں، بلکہ لوگوں کو خوش کرنا مقصود ہے" اس کے اس اعتراض پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جلال میں آکر فرمایا کہ "تم ہلاک ہو جاؤ، اگر میں انصاف نہ کروں گا تو دوسرا کون ہے جو میزانِ عدل قائم رکھ سکے، خدا تو مجھے امین سمجھتا ہے۔ مگر تم لوگ "امین" نہیں خیال کرتے۔ یعنی خدا کو معلوم ہے کہ میں نے کبھی خیانت نہیں کی بلکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کما حقہ، پورا کرتا ہوں، لیکن تم لوگ ایسے "شوخ چشم" اور "کور باطن" ہو جو مجھ پر خیانت کی تہمت لگاتے ہو، خدا تمہیں غارت کرے اگر میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح خیانت کرنا شروع کر دوں اور پورے عدل و انصاف سے تمہارے ساتھ پیش نہ آؤں تو اور کون ایسی "ہستی" ہے جو مجھ سے بڑھ کر انصاف کر سکے، کس طرح آپؐ نے واضح الفاظ میں اپنی معصومیت کو ثابت کیا ہے، لیکن مخالفین پر خدا رحم کرے کہ کس طرح حضور علیہ السلام پر بالعمد گناہ کرنے کا بہتان لگا کر ذوالخویصرہ کے ساتھی بننا چاہتے ہیں؛ خدا تعالیٰ ہمیں منہاجِ اعتدال پر رہنے کی توفیق دے، آمین!

## معصومیت کی زبردست دلیل؛

اس طرح وہ واقعہ بھی قابلِ غور ہے جب کہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس ایک شخص آیا اور سوال کیا کہ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے بوس و کنار کر لے[1] تو اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت ام سلمہؓ نے مسئلہ کی توضیح کر دی، اس کے بعد حضور علیہ السلام تشریف لائے تو یہی مسئلہ آپؐ کے سامنے پیش ہوا، آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ تم نے اسے کیوں نہ کہہ دیا کہ میں نے روزہ کی حالت میں ایسا کیا ہے؛ لیکن جب آپؐ کے سامنے سائل مسئلہ کی کہی ہوئی یہ بات آئی کہ: "لست مثلنا قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر"،

---

[1] یہاں ممکن ہے کوئی شخص غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ کوئی غیر مرد کسی غیر عورت سے ایسا سوال کیونکر کر سکتا ہے؛ تو واضح ہو کہ قرآن مجید میں ہے کہ "فاسئلوهن من وراء حجاب" کہ تم نبیؐ کی ازواج مطہراتؓ سے محتاط الفاظ میں، پس پردہ سوال کر سکتے ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی "حضور علیہ السلام ہماری طرح نہیں ہیں، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے سابقہ، لاحقہ گناہ معاف کر دیئے ہیں"۔

... تو آپ خفا ہوئے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ آپ کی یہ ناراضگی، اس شخص کے اس سمجھانے پر تھی کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں، لہٰذا اگر آپ دانستہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا ارتکاب کر بھی لیں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بخدا میں اللہ کے معاملات میں تم سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور ان کو تم سے زیادہ سمجھنے والا ہوں"

عقلمند شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ جو ہستی اس قدر محتاط ہو کہ اپنے متعلق کسی کے دل میں معصیت کے تصور کو بھی ناپسند اور ناقابل برداشت خیال کرے وہ گناہ میں کیونکر ملوث ہو سکتی ہے۔

## اعتراض فتح مبین:

علامہ ابن حزم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، فرمان خداوندی ہے:

"انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر ویتم نعمتہ علیك ویھدیك صراطا مستقیما"

کہ "ہم نے آپ کو ظاہر و باہر فتح دی تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے (ترک اولیٰ کی بنا پر سرزد ہونے والے) تمام قصور بخش دے، آپ پر اپنی نعمتوں کا اتمام کرے اور آپکو صراط مستقیم پر چلائے"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہوں کا صدور نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بات محالات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا اتمام ایسے شخص پر کرے جو چھوٹے بڑے معاملات میں خدا کی نافرمانی کر کے قصوروار ٹھہرے، کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں بھی نقص لازم آتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"انا ارسلناك شاھدا ومبشرا ونذیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ"

کہ ہم نے آپ کو شہادت دینے والا، بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بھیجا ہے تاکہ تم (اے مسلمانو!) اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ اور خدا کے دین کی مدد کرو۔"

پھر فرمایا:

"قل اباللہ و آیاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم"

کہ "ان سے فرما دیجئے، تم نے اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مذاق کیا، اس لئے اب بہانے مت بناؤ، ایمان کے بعد تمہارا کافر ہو جانا یقینی ہے۔"

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہمارے مخالفین نے بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہٗ عزت نہیں کی بلکہ استہزا میں انتہا کی حد کو پہنچ گئے کہ ان نفوسِ قدسیہ کو دانستہ گناہ کرنے والا جانتے ہیں کہ انبیاء کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کوئی استہزا ہو سکتا ہے کہ ان کے حق میں نادانی اور باغی ہونے کو جائز رکھا جائے، بخدا ہم اس سے بڑا کفر اور کچھ نہیں سمجھتے۔ کاش یہ لوگ "کذب فی التبلیغ والسہو" کے قائل نہ ہوتے تو اچھا تھا کیونکہ ایسی صورت میں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آیا پیغمبروں نے خدا کی طرف سے ہمیں جھوٹی باتیں پہنچائی ہیں یا سچی؟ ایسی صورت میں انبیاء علیہم السلام کے وہ افعال جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا نافرمان ہونا دونوں برابر ہیں، کوئی فرق نہیں!"

## آپؐ کا قبل از بعثت معصوم ہونا:

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی کہے، کیا انبیاء علیہم السلام سے قبل از نبوت صدورِ خطا ممکن ہے یا نہیں؛ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہاں دو صورتوں کے علاوہ تیسری کسی صورت کی گنجائش نہیں، یعنی وہ نبی کسی ایسی قوم میں پیدا ہوگا جس میں اس سے پہلے کوئی اور نبی آچکا ہوگا اور دوسرے نبی کی بعثت تک اس قوم میں پہلے نبی کی شریعت زندہ اور باقی تھی جیسے عیسیٰ علیہ السلام، کیونکہ آپؑ قوم بنی اسرائیل میں تشریف لائے، اندریں حالات شریعتِ موسوی رائج تھی۔ یا وہ نبی کسی ایسی قوم میں مبعوث ہوا ہوگا جس میں اس سے پہلے کسی نبی کی شریعت کا کوئی صحیح تصور موجود نہیں تھا جبکہ سابقہ شرائع کی تمام تعلیمات ختم ہو چکی ہوں گی جیسے ہمارے آخر الزمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنکو بشمولِ امت فرمایا:

"ووجدک ضالاً فہدیٰ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی "آپؐ تعلیماتِ حقانی سے بے خبر تھے، اور آپؐ کی قوم بھی گمراہی میں گم تھی، سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی" اور نیز

لتنذر قوما ما انذر آباؤھم۔"

"تاکہ آپؐ ایسی قوم کے لئے نذیر بنیں، جس کے آباؤ اجداد پہلے نہیں ڈرائے گئے تھے"

ان مذکورہ آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قبل از بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عربوں کے پاس شریعتِ الٰہیہ کا کوئی صحیح تصور موجود نہ تھا اور وہ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی شریعت کو بھی فراموش کر چکے تھے۔

اب اگر کوئی نبی کسی دوسرے نبی کی تائید اور اس کے طریقۂ دین کی تجدید کے لئے آیا ہے درآنحالیکہ وہاں اس نبی کی بعثت سے پہلے شریعت موجود ہے تو اس نبی یا اس کی قوم کو بے شریعت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ پہلے سے ایک شریعت کے پیروکار اور متبع ہیں، اور اوپر ہم یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ باشریعت نبی سے خدا کی نافرمانی کسی بھی حالت میں دانستہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی معصیت کا قصداً ارادہ کر سکتا ہے۔

اور اگر دوسری صورت ہے، یعنی وہ نبی کسی ایسی قوم میں پیدا ہوا ہے جس میں پہلے کسی نبی کی شریعت موجود نہیں بلکہ وہ لوگ پہلے نبی کی تعلیم کو فراموش کر چکے ہیں تو اس صورت میں ان میں پیدا ہونے والا نبی، نبوت ملنے سے پیشتر نہ تو کسی خاص دین کا پیروکار ہوگا اور نہ وہ مامور من جانب اللہ! اور جب وہ اللہ کی طرف سے مامور ہی نہیں تو کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کی وجہ سے وہ عاصی اور نافرمان بھی نہیں ہوگا، اس لئے کہ نافرمانی نام ہے کسی حکم کی خلاف ورزی کا اور یہاں سرے سے حکم ہی مفقود ہے۔ اس لئے نافرمانی کا تصور ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ روایت صحیح ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ آپؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، فرماتے تھے:

"میں نے کبھی کسی ایسے قبیح کام کا ارادہ تک نہیں کیا جسے اہلِ جاہلیت کیا کرتے تھے لیکن پوری عمر میں صرف دو مرتبہ کچھ لغزش ہونے کا احتمال پیدا ہوا لیکن خدا تعالےٰ نے مجھے بچا لیا۔"

ہوا یوں کہ مکہ کے بالائی حصہ میں ایک قریشی لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں نے کہا کہ آج تم بکریوں کی حفاظت کرو، میں مکہ میں رات گزار کر "محفل مسامرہ" کے قصے کہانیاں سننا چاہتا ہوں، اس نے میری بات مان لی اور بکریوں کی نگرانی قبول کر لی چنانچہ میں وہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب مکہ کے قریب پہنچا تو گانے بجانے اور دف بانسری کی آواز سنائی دی۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ قریش کے فلاں شخص نے فلاں عورت سے شادی رچائی ہے، اس خوشی میں یہ شادیانے بج رہے ہیں (آپؐ فرماتے ہیں کہ) اسی وقت مجھ پر نیند غالب آگئی اور میں وہیں سو گیا۔ دوسرے دن سورج کی تمازت سے میری آنکھ کھلی، اور اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا، اس نے مکہ کا حال چال، پوچھا تو میں نے اپنی آپ بیتی سنا دی پھر دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا اور اس رات بھی گہری نیند سو گیا اور دن نکلنے کے بعد آنکھ کھلی تو واپس لوٹ آیا، ساتھی نے پھر قصہ سنانے کا مطالبہ کیا تو میں نے گذشتہ شب کی طرح اپنی کیفیت من وعن بیان کر دی، بخدا! اس کے بعد میں نے کبھی بھی جاہلیت کے ان برے کاموں کا ارادہ نہیں کیا جسے وہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے"۔

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے محسنِ حقیقی کی نافرمانی نہیں کی، نہ کسی چھوٹے معاملہ میں اور نہ بڑے معاملہ میں، نہ نبوت سے پہلے اور نہ منصب عطائی کے بعد، صرف قبل از نبوت "محفلِ مسامرہ" میں داستان گوئی سننے کی خواہش ضرور ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ اس جیسے "حسین مناظر" دیکھنا انسانی فطرت ہے۔ اور انسان کے "حسنِ ذوق" پر زبردست دلیل ہے۔ بنا بریں محفلِ مسامرہ کی سماعت فطرتی طور پر طبع انسانی کا تقاضا تھا۔ علاوہ ازیں یہ خواہشِ فطری پیدا بھی تو اسی وقت ہوئی جبکہ آپؐ کو اس سے منع نہیں کیا گیا تھا۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ داستان گوئی کی سماعت زنا جتنا بڑا گناہ نہیں ہے، اس لئے اس روایت سے قصداً گناہِ عظیم پر استدلال کرنا بہت غلط ثابت ہوگا بلکہ اس کے برعکس اس واقعہ سے "عصمت" واضح ہوتی ہے، کما لایخفیٰ علیٰ ذی فہم۔

اس مقام پر مناسب ہوگا، اگر سر ولیم میور کی تصنیف "حیاتِ محمدی" کی اس عبارت کا ترجمہ نقل کر دیا جائے۔ جہاں مؤلف مذکور نے "محمدؐ کی باوقار و باتمکین و پرہیزگارانہ جوانی" کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عظیم عنوان سے سرخی جمائی ہے:

"جوانی کی عمر میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے برتاؤ (اخلاق) کی راستی اور عادات کی طہارت کے بیان کرنے میں جو مکہ کے لوگوں میں نہایت ہی کمیاب تھی، سب اہلِ قلم متفق ہیں۔ ان کی شرم وحیا اعجازی طور پر بیان کی جاتی ہے۔ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک روایت یوں ہے کہ میں ایک رات ایک قریشی لڑکے کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا، میں نے اس لڑکے سے کہا، اگر تم میری بکریوں کی حفاظت کرو تو میں مکہ میں جا کر اپنا دل بہلا آؤں، جس طرح کہ نوعمر لڑکے رات کو اپنا دل بہلانے کے عادی ہیں، لیکن آپ جونہی شہر کی حدود میں پہنچے تو ایک برات کی تقریب نے آپکی توجہ اپنی طرف پھیر لی اور آپ سو گئے۔ پھر ایک دوسری رات آپ شہر میں اس ارادے سے داخل ہوئے لیکن اس مرتبہ بھی آپ باز رکھے گئے اور آپ بیچ بیٹھ گئے اور صبح تک نیند میں رہے۔ اسی طرح پھر بھی آپ خواہش سے بچے رہے۔ اس کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول ہے کہ "میں نے کبھی بھی کسی برائی کا قصد نہیں کیا، حتیٰ کہ میں منصبِ نبوت تک پہنچا یا گیا۔"

وضاحت:

عرب میں دورِ جاہلیت کے وقت "محفلِ مسامرہ" ہوتی تھی جیسے آج کل کلب وغیرہ ہوتے ہیں، لوگ رات کے وقت وہاں بیٹھ کر شعر وشاعری، داستان گوئی اور ملکی حالات کا ذکر کرتے تھے۔ اس رسم کا ثبوت "بلوغ الادب فی احوال العرب" سے ملتا ہے۔ مصنف مذکور نے جو حضور علیہ السلام کے قول کا حوالہ دیا ہے وہ تاریخ طبری کی دوسری جلد میں یوں ملتا ہے:

"حتیٰ ادخل مکۃ ناسمر بھا کما یسمر الشباب" (ص ۱۹۶، ج ۲، طبری)

یہ الفاظ ہمارے دعوائے عصمت کی بین دلیل ہیں۔ یعنی مکہ میں جانے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی برا ارادہ نہ تھا بلکہ ملکی رسم کے مطابق ایک عام سی بات تھی۔ لیکن چونکہ حضورؐ کے اوقاتِ گرامی شروع ہی سے ایسے معمولی کاموں میں صرف نہ ہوئے تھے، اس لئے اس معمولی کام کو بھی (جو ملکی رسم کے مطابق ہر طرح جائز تھا بلکہ آج کل بھی لائبریریوں میں بصورتِ اخبار بینی مستحسن سمجھا جاتا ہے) آپؐ نے اپنی جلالتِ شان کے لحاظ سے ناپسند کر کے فرمایا:

"ما ھممت بعدھا بسوء" (طبری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی یعقوب پیر صاحب میں نے پھر کبھی بھی (ایسے جائز، لیکن آپ کی علو شان کے لحاظ سے) مکروہ کام کا قصد نہ کیا۔"

پس یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام کو خدا نے ہر عیب سے پاک اور ہر بری چیز سے دور رکھا ہے۔ اب قرآنی قاعدہ کے مطابق کسی کے اندر عیب ثابت کرنا اسے اذیت اور تکلیف دینے کے مترادف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ہر اذیت کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا"

کہ "وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حق میں کوئی اذیت کی بات کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

علامہ ابن حزم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

"اس لئے ہم بالکل حتمی اور یقینی طور پر اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس بات سے خاص طور پر محفوظ بنا دیا ہے کہ وہ خود زناکار یا کسی زناکار کی اولاد ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ ان حضرات (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو قوم کے بہترین حسب نسب والے گھرانے میں پیدا کرتا ہے۔

اور جب اس میں شک نہیں ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بہترین گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں تو اس میں بھی کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نبوت سے پہلے بھی ایسی باتوں سے بچاتا ہے جو بعد از نبوت ان کے لئے باعث اذیت اور موجبِ تکلیف ہوں۔ اس لئے نہ تو وہ چوری، عدوان اور سرکشی کا ارتکاب کرتے ہیں اور نہ ہی فسق القلب اور سنگ دل ہوتے ہیں، اور نہ ہی ان نفوسِ قدسیہ سے ایسے کاموں کا صدور ہوتا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے باعث اذیت ہوں۔ . . .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



. . . ہماری اس تقریر میں ہر وہ بات اور ہر وہ چیز داخل ہو گی جو آدمی کے لئے باعث اذیت وعیب اور وجہ شک وشبہ بنے ۔ یعنی حضرات انبیاء کرام ہر طرح کے عیوب اور برے کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔" وباللہ التوفیق!

(باقی ۔ باقی)

---

آپ کے نام آنے والے پرچہ پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ بیس دن کے اندر اندر سالانہ زرِ تعاون دفتر ترجمان الحدیث کے نام بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما دیں اور یا آئندہ شمارہ آپ کی خدمت میں بذریعہ وی پی پی ارسال کیا جائے گا۔ جس کو وصول کرنا آپ کا دینی و اخلاقی فریضہ ہو گا۔

---

اگر آپ خدانخواستہ ترجمان کی آئندہ خریداری جاری نہیں رکھنا چاہتے تو اس صورت میں بذریعہ خط دفتر ہذا کو پندرہ دن کے اندر اندر مطلع فرما دیں۔ کوئی جواب نہ آنے یا مکمل خاموشی کو رضامندی پر محمول کرتے ہوئے ہم وی پی آپ کی خدمت میں روانہ کر دیں گے، جس کی واپسی ہرگز ہرگز قبول نہیں کی جائیگی۔

(مینجر)

© rasailojaraid.com